سید شمیم رجز کے منظوم ترجمہ قرآن "مثنوی آب رواں" کا تنقیدی مطالعہ

A Critical Study of *Mathnavi Ābe Rawān*- A Rhymed Urdu Qur'ān Translation by Syed Shamim Rajaz

ڈاکٹر محمد سعید شیخ*

Abstract

*An engineer by profession, Syed Shamim Rajaz (1921-2012) although not very famous has left at least one dozen writings in Urdu poetry and prose which are considered by some to be masterpieces. Most of his poetry work covers theological themes out of which "Mathnavi Ābe Rawān", a rhymed Urdu translation of the Qur'ān can be considered an inspiring effort by him. The poet in this work has tried to transfer the exact meaning of the Book of Allah into Urdu poetry (mostly couplets) for readers, in which he has not been very successful, neither can he be, as according to latest theories, it is impossible to transfer exact meanings of one language to another while fully accommodating its eloquence, style, rhetorical sciences and other linguistic beauties even in prose, especially in the case of translating from Arabic language. Any how this translation is a good effort which was started in 1952 and accomplished in 1965. The translator kept on reviewing it till 1985, the year in which a complete version of it was published. Second version of the work appeared in 2005. The present article presents a brief description of the life and works of Syed Shamim Rajaz alongwith a critical review of his translation which he carried out in **16899** verses.*

Keywords: Life and Works of Syed Shamim Rajaz, Critical investigation of Urdu Qur'ān translation *Mathnavi Ābe Rawān*.

کسی زبان کے متن یا عبارت کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا آسان نہیں ہوتا، ہر زبان کا اپنا دروبست، جملوں کی ساخت پرداخت، الفاظ کا اپنا صوتی حسن وآہنگ، مخصوص اصطلاحات و پس منظر، روزمرہ، خاص محاورے اور ضرب الامثال ہوتے ہیں، کبھی کبھی بعض الفاظ میں اتنی وسعت اور گہرائی وگیرائی ہوتی ہے کہ جس کو ترجمہ میں منتقل کرنا ناممکن نہیں تو ناممکن حد تک مشکل ضرور ہوتا ہے۔ پھر زبان کی وسعت و تنگی بھی مشکلات پیدا کرتی ہے۔ پھر جب معاملہ کلام الٰہی کا ہو، تو مترجم اپنے آپ کو ایسے عاجز پاتا ہے، جیسے اللہ کی قدرت کے سامنے اپنے آپ کو عاجز پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا عبد الماجد دریابادی نے اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن کی ابتدا اِن الفاظ سے کی:

"Of all great works the Holy Qurā'n is perhhaps the least translateable"1

باوجود اس حقیقت کے کہ ترجمہ ایک مشکل فن ہے، کتاب اللہ کا ترجمہ کرنا تو ایک انتہائی دشوار اور نازک کام ہے، لاتعداد نثری اور منظوم تراجم موجود ہیں۔ نظم کی نسبت نثر میں ترجمہ کرنا آسان ہے، اسے قرآن پاک کا اعجاز کہیں یا مترجمین کی عقیدت کا کمال کہ دشواریوں کے ساتھ نظم کی پابندیوں کے باوجود قرآن مجید کے متعدد منظوم ترجمے ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اُردو کو یہ افتخار حاصل ہے کہ منثور تراجم کی طرح منظوم تراجم بھی سب سے زیادہ اسی زبان میں ہوئے ہیں، متعدد زیورِ اشاعت سے مرصع

*لیکچرار شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ شالیمار کالج، باغبان پورہ، لاہور۔

ہو چکے ہیں اور بعض تاحال مخطوطات کی شکل میں ہیں۔ ذیل میں انھی منظوم تراجم میں سے "مثنوی آب رواں" کا تعارف اور تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

تعارف نظم نگار مترجم:

سید شمیم رَجَز کا اصل نام سید نجم الحسن رضوی تھا، شاعری میں پہلے شمیم تخلص رکھتے تھے، بعد میں رجزؔ اختیار کر لیا[2] اور دنیائے سخن میں سید شمیم رجزؔ کے نام سے شہرت پائی۔ آپ کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے آپ کی اپنی کتب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثنوی آب رواں کے 1960ء، 1964ء اور 1966ء کے مطبوعہ پہلے، دوسرے اور تیسرے پارے کے پس سرورق پر سید شمیم رجز کا یومِ پیدائش 11 مئی 1927ء درج ہے[3]، جب کہ آپ ہی کی دوسری کتب میر کارواں اور خلوص بیکراں کے مطابق آپ کا سال پیدائش 1920ء ہے[4]؛ "حروف کی آوازیں اور اُن کے اثرات" کی پرنٹ لائن پر 11 مئی 1937ء درج ہے[5]، مگر درست تاریخ ولادت 3 اگست 1921ء مطابق 27 ذی قعدہ 1339ھ بروز چہار شنبہ بوقت مابین 3، 4 بجے دن ہے[6]۔ سید موصوف کی جائے پیدائش ضلع کانپور کے قریب گاؤں "محمد پور" نامی گاؤں ہے[7]۔

سید شمیم رجزؔ نے بچپن میں اپنی والدہ محترمہ سے قرآن مجید پڑھا، ابتدائی تعلیم قصبہ کے پرائمری سکول میں حاصل کی، انگریزی کا آغاز بی۔ این ہائی سکول اکبر پور ضلع فیض آباد سے ہوا، ایس۔ آئی کالج لکھنؤ سے میٹرک ریاضی میں امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔ اسی کالج میں انٹر سائنس تک تعلیم پانے کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی میں بی ایس۔ سی (سالِ اول) تک تعلیم حاصل کی۔ شعری وشاعری سے چوں کہ حد درجہ مناسبت تھی، اس لیے قیامِ پاکستان کے بعد سٹی آرٹس کالج حیدر آباد سندھ میں داخلہ لے لیا اور یہاں بی۔اے آنرز تک تعلیم حاصل کی۔ سندھ یونیورسٹی میں ایم۔ اے اُردو سالِ اوّل کے ہی طالب علم تھے کہ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی کی کشش انھیں لاہور لے آئی اور یہاں سے آپ نے ایم۔ اے اُردو کی سند حاصل کی[8]۔ علاوہ ازیں لوکو موٹیو میں سب انجینئرنگ کی پانچ سالہ تعلیم جھانسی اور ممبئی میں جی آئی پی آر کے انسٹی ٹیوٹس سے حاصل کی[9]۔

قیامِ پاکستان کے بعد عملی زندگی کا آغاز پاکستان ریلویز کی اسٹیل اینڈ آئرن شاپ لاہور میں ملازمت سے کیا، اسپرنگ شاپ کے انچارج رہے، ایک افسر کی رپورٹ پر ملازمت سے برخواست کیے گئے، بعد ازاں عدالت نے بحال کیا، لیکن 82-1981ء میں سرکاری ملازمت کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا[10] اور کراچی منتقل ہوگئے، وہاں ادارہ تصنیف و تالیف اسلامیہ قائم کیا، نیا دور موٹرز کے نام سے گاڑیوں کا شوروم بنایا اور 92-1991ء میں کراچی سے امریکہ شفٹ ہوگئے، لان ڈیل ریاست کیلی فورنیا میں مقیم ہوئے، آخری عمر میں شدید بیمار ہوگئے تھے اور یادداشت میں بھی خلل واقع ہوگیا تھا۔ 12 جولائی 2012ء کو خالقِ حقیقی سے جاملے اور شکاگو (امریکہ) کے قبرستان میں مدفون ہوئے[11]۔

لکھنؤ کے آٹھ سالہ قیام کے دوران سید موصوف نے اُردو کے محافظ اور اُردو ادب کے مجتہد حضرت مہذب لکھنوی سے فن شاعری کی تعلیم حاصل کی۔ رجز صاحب کو ابتدائی عمر میں ہی شعر وشاعری سے حد درجہ مناسبت تھی، ابھی آٹھویں جماعت میں تھے کہ ابتدائی کلام "دریائے غم" کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے دو سال بعد ابھی دسویں جماعت میں زیر تعلیم تھے کہ دوسرا مجموعہ "محافظ اسلام" کے نام سے شائع ہوا۔ شعر وشاعری سے اس حد تک لگاؤ کے باوجود بھی اپنی جماعت کے ہر امتحان میں اوّل پوزیشن حاصل

کرتے رہے[12]۔ سید شمیم رَجَز اُردو کے قادر الکلام شاعر تھے، قیامِ لاہور کے دوران لاہور کے مشاعروں اور محافل مسالمہ میں شریک ہوتے اور اپنا منظوم کلام سناتے۔

تصانیف و تالیفات:

سید شمیم رجزؔ نے مختلف موضوعات پر کوئی ایک درجن کتب لکھیں ہیں، اوّلاً نثری کتب کا ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ چوں کہ انجینئرنگ کے شعبہ سے وابستہ تھے، اس لیے اِس موضوع پر قلم اٹھایا اور دو کتابیں "فولاد پر عملِ حرارت"[13] اور "فن آہن گری"[14] تحریر کیں جو پاکستان رائٹرز گلڈ کی وساطت سے بالترتیب اوّل اور دوم انعام کی مستحق قرار پائیں۔ فاضل مصنف نے حروف کے مزاج کو پرکھنے اور اُن کی آواز کے حسن و قبح کو جانچنے کے لیے "حروف کی آوازیں اور اُن کے اثرات"[15] لکھ کر اُردو ادب کی ایک اچھوتے اور نرالے انداز میں خدمت کی ہے۔ سید شمیم رجز شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے، مگر شیعہ سنی اتحاد کے داعی تھے، اتحاد بین المسلمین کے لیے بالعموم اور شیعہ سنی کے مابین اتحاد و اتفاق کے لیے کتاب بہ عنوان "مسلمان"[16] لکھی۔ آج کے اس موجودہ تناظر میں اُمت محمدیہ میں باہمی اتفاق و اتحاد سے متعلق ایک کتاب بہ عنوان "شیر و شکر" تصنیف کر رہے تھے مگر اس کی اشاعت نہ ہو سکی۔ "صدائے احتجاج" کے نام سے آپ کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ بھی موجود ہے، شرک کے خلاف بھی آپ نے "یا اللہ مدد" کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی۔

شمیم رجزؔ شعر و ادب کی دنیا کے ایک قادر الکلام شاعر مانے جاتے ہیں اور شاعری کی ہر صنف پر طبع آزمائی کر چکے تھے، جس کا منہ بولتا ثبوت حمد، نعت، قصیدہ، سلام، منقبت، رباعی، نوحہ، مرثیہ اور دیگر مختلف اصناف پر مشتمل ایک ضخیم کتاب "خلوص بیکراں"[17] ہے۔ "میر کارواں" کے نام سے اہلِ سنت اور اہلِ تشیع کے مابین متفق علیہ احادیث کا منظوم ترجمہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصنیف لطیف "نہج البلاغہ" کا منظوم ترجمہ دو جلدوں میں بہ عنوان "نقش جاوداں" کیا[18]، "گلستانِ فاطمہ" کے نام سے مرثیہ لکھا، "نجاتِ انس و جاں" کے عنوان سے سو منظوم دعائیں لکھیں جن میں حضرت امام زین العابدین کی 56 منظوم دعائیں بھی شامل ہیں۔ ایسا پس فیلبسز (انگریزی) کا منظوم ترجمہ "خزانۂ حکمت" کے نام سے کیا[19]۔ سید شمیم رجز کی اِن تمام تخلیقات و تالیفات میں نمایاں کام قرآن مجید کے منظوم مطالب و مفاہیم بہ عنوان "مثنوی آب رواں" ہے۔

زمانۂ تخلیق آب رواں:

سید شمیم رجز نے قرآنی مطالب و مفاہیم کو نظم کرنے کا آغاز فروری 1952ء میں کیا، اگست 1953ء تک صرف پہلے پارے کے مضامین کو نظم کا جامہ پہنایا جاسکا[20]؛ شاعر موصوف کو پورے قرآن مجید کے مطالب نظم کرنے میں تقریباً چودہ سال کا عرصہ لگا اور یوں 1965ء میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا[21]۔ 84-1985ء تک آپ اس پر نظر ثانی کرتے اور نوک پلک سنوارتے رہے، اس طرح آپ نے تقریباً تیس بتیس سال کا عرصہ قرآنی مطالب و مفاہیم کو نظم کرنے میں صرف کیا[22]۔

اشاعتِ ترجمہ:

سید شمیم رجز نے تکمیلِ ترجمہ سے قبل ہی اس کی جزوی اشاعتوں کا آغاز کر دیا تھا، سب سے پہلے 1960ء میں اس کا پہلا حصہ "آبِ رواں" کے نام سے شائع ہوا جو کہ پہلے پارہ کے منظوم مطالب و مفاہیم پر مشتمل تھا۔ سرورق پر کچھ اس طرح زیبِ قرطاس ہے: ادب برائے ثواب، آبِ رواں، پہلا حصہ۔ مستند سلیس اور عام فہم زبان میں ایک گرانقدر اضافہ، بلاغت مضامینِ قرآنی اور

فصاحت و سلاستِ لسانی کا دل کش مجموعہ۔ پس سر ورق پر مصنف کا تعارف دیا گیا ہے۔ کتاب کی ترتیب یوں ہے کہ دائیں صفحہ پر متنِ قرآن ہے اور اُس کے تحت شاہ رفیع الدین کا لفظی ترجمہ دیا گیا ہے، اِس لفظی ترجمے پر مضمونِ آیت کی مناسبت سے عناوین بھی قائم کیے گئے ہیں، اِس کے مقابل بائیں صفحے پر منظوم مطالب و مفاہیم ہیں، پھر 1964ء میں رائٹرز اکیڈیمی لاہور سے سیقول پارہ پر مشتمل دوسرا حصہ شائع ہوا، 138 صفحات پر مشتمل اس دوسرے حصے میں بھی وہی اسلوب اپنایا گیا ہے جو پہلے میں اپنایا گیا تھا۔ صفحہ 136 سے آخر تک نام وَر شخصیات کی تقاریظ اور اخبارات ور سائل کے تبصرے بھی اس اشاعت کا حصہ ہیں۔

آبِ رَواں کا تیسرا حصہ بھی جو کہ تلک الرسل کے مفاہیم و مطالب پر مشتمل تھا رائٹرز اکیڈمی لاہور سے 1966ء میں شائع ہوا، 136 صفحات پر مشتمل اِس حصہ میں بھی سابق دونوں پاروں والا اُسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

اِن تین پاروں کی اشاعت کے بعد 1405ھ / 1985ء میں ''آب رواں'' کی پانچ جلدوں میں مکمل اشاعت نظم نگار کے اپنے ادارے ادارۂ تصنیف و تالیف اسلامیہ کراچی سے عمل میں آئی۔ ہر جلد چھ چھ پاروں کے منظوم مطالب و مفاہیم پر مشتمل ہے۔ صفحات کے مسلسل نمبر لگے ہیں، جلد اوّل صفحہ 1 سے 327 تک، دوم 328 سے 661 تک، جلد سوم صفحہ 662 سے 997 تک، جلد چہارم صفحہ 998 سے 1311 تک اور جلد پنجم صفحہ 1312 سے لے کر 1654 تک ہے۔ اِن پانچ جلدوں میں اشعار کی مجموعی تعداد 16899 ہے۔ شاعر مترجم کے دیباچے کے علاوہ اربابِ علم وادب کی توصیف و تعریف پر مبنی تقاریظ بھی اِس اشاعت کا حصہ ہیں۔ دائیں صفحے پر متن اور ترجمہ رفیعیہ ہے اور اُس کے مقابل فاضل نظم نگار کے منظوم مطالب ہیں۔ اِن پانچ جلدوں کی خاصیت یہ ہے کہ متن قرآن اور نثری و منظوم ترجمے کی کتابت فاضل نظم نگار نے خود کی ہے اور اس کی اشاعت کا اہتمام بھی خود کیا ہے، جس کے لیے آپ کو پہلے کاپی پیسٹنگ سے لے کر اس کی بائینڈنگ تک کے طباعت کے تمام مراحل سیکھنے پڑے۔ یہ نظم نگار کی قرآن کے ساتھ وارداتِ قلبی کا واضح اظہار ہے۔

مثنوی آب رواں کی دوسری اشاعت یک جلد میں رمضان المبارک 1426ھ بمطابق اکتوبر 2005ء میں اظہار القرآن لاہور سے عمل میں آئی۔ اس میں شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کا نثری ترجمہ شامل نہیں ہے، جو کہ اس سے قبل کی تمام کلی و جزوی اشاعتوں کا جزولاینفک تھا۔ اس ایک جلدی ''مثنوی آبِ رواں'' کی طباعت تین رنگوں میں کی گئی ہے۔ گہرے سبز رنگ کا حاشیہ ہر صفحے کو مزین کرتا ہے اور ہلکے سبز رنگ کے کالم میں قرآنی متن اور اس کے مقابل سفید کالم میں قرآنی متن کی منظوم ترجمانی درج ہے۔ آخر میں فہرست ہے اور یہ کل 692 صفحات پر مشتمل ہے۔ آخر میں بغیر نمبروں کے چار صفحات ان کے علاوہ ہیں جن پر اہل علم حضرات کے تبصرے ہیں اور یہ تبصرے اِس کی اِس دوسری اشاعت پر نہیں ہیں، بلکہ ساٹھ اور اسّی کی دہائی میں شائع ہونے والے تین حصوں اور پانچ جلدوں پر ہیں، اسی وجہ سے ناشر کو ایک الگ سے تعارفی بروشر چھاپنا پڑا جس میں سابقہ تبصروں کے ساتھ نئی اشاعت پر تبصرے بھی شامل ہیں۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، سید ابو الحسنات، مولانا احتشام الحق تھانوی، جناب اختر عباس مجتہد، ڈاکٹر سید ناظر حسن زیدی، حافظ نذر احمد (پرنسپل شبلی کالج لاہور)، پنجابی شاعر صدیق باغبانپوری، ڈاکٹر محمد حسین جعفری، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر محمد حسن رضوی، پروفیسر ڈاکٹر عبد الرشید (ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ کراچی)، ڈاکٹر ہلال نقوی، ڈاکٹر عظیم امروہی، مولانا حافظ مشتاق احمد، ڈاکٹر انور سدید، ناصر زیدی، اسرار زیدی، ڈاکٹر سید معراج نیر، ڈاکٹر سلیم اختر، پروفیسر صدیق کلیم، مفتی عزیز الرحمن

دانش، رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی اور دیگر اہل علم و فن نے منظوم ترجمے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے اور اس پر دل نشیں تبصرے لکھ کر اس کو سراہا ہے۔

صنفِ ترجمہ:

سید شمیم رجز کا "آبِ رواں" قرآن مجید کا مفہومی ترجمہ ہے اور شاعر نے مفہوم نظم کرنے کے لیے اصنافِ نظم میں سے مثنوی ہیئت کو منتخب کیا ہے اور بحورِ شاعری میں سے بحر متقارب مزحف کا انتخاب کیا ہے، جس کا وزن فعولن فعولن فعولن فعل ہے۔

تسمیہ کا ترجمہ:

مثنوی آبِ رواں کے تخلیق کار سید شمیم رجزؔ نے قرآن مجید و فرقان حمید کی تمام سورتوں کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا مفہوم نظم کرتے ہوئے لفظ اللہ کا مفہوم خالق سے بیان کیا ہے، خالق کسی بھی طرح لفظ اللہ کا متبادل نہیں ہو سکتا۔ تسمیہ کا منظوم مفہوم ملاحظہ ہو:

کروں ابتدا لے کے خالق کا نام   کہ رحمت ہے اُس کی پئے خاص و عام

بسم اللہ کے اس ترجمہ میں جہاں خالق کے لفظ سے لفظ اللہ کا مفہوم ادا نہیں ہوتا وہاں پہلے مصرعے میں تنافر صوتی بھی لازم آتا ہے کہ قاف اور کاف عربی میں تو قریب المخرج ہیں اور اُردو میں ہم مخرج، ان دونوں کو ادائیگی ...جب ساتھ ساتھ ہوں... دشوار ہے۔ شعر میں جب اللہ تعالیٰ کا اسم ذاتی نظم کیا جا سکتا ہو تو پھر اُس کی بہ جائے صفاتی نام کو نظم کرنا اللہ کے لیے شایاں نہیں۔ بسم اللہ کے اِس ترجمہ سے زیادہ بلیغ وہ ترجمہ ہے جو شاعر نے سورۂ نمل کی آیت اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ [23] کے مطالب و مفاہیم کے ضمن میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

ہے اللہ کے نام سے ابتدا   نہیں جس کی رحمت کی کچھ انتہا[24]

سورۂ فاتحہ کے آغاز میں تسمیہ کے ترجمے کے ضمن میں شاعر نے مصرع اوّل میں معمولی تصرف کیا ہے، وہاں مصرع اوّل ہے:

کریں ابتدا لے کے خالق کا نام

حروفِ مقطعات:

فاضل نظم نگار مترجم نے اپنے منظوم مطالب و مفاہیمِ قرآن میں حروف مقطعات کو بھی نظم کیا ہے ماسوا سورۂ اعراف، رعد، عنکبوت، السجدہ اور سورۃ الشوریٰ کے۔ بعض حروف مقطعات کو مزید قطع کر دیا ہے جو ان حروف کے ساتھ ناانصافی کے زمرے میں آتا ہے۔ نمونے کے طور پر درج ذیل دو شعر ملاحظہ ہوں:

کٓھٰیٰعٓصٓ

ہوا درسِ مریم کا جب انعقاد   لکھا کاف۔ ہا اور یا عین۔ صاد[25]

طٰسٓمٓ

ہوا جب قصص کا نزولِ کریم   نبی نے پڑھا پہلے طا۔ سین۔ میم[26]

شاعر نے اپنے شعر جوڑنے کے لیے حرفِ مقطع کو توڑ دیا ہے، قرآن میں تو ایسا نہیں ہے، حروف مقطعات اگرچہ پڑھے علاحدہ علاحدہ جاتے ہیں، مگر لکھے تو اکٹھے جاتے ہیں، ان کو قرآنی املا سے ہٹ کے لکھنا اور اُن کے درمیان حرفِ "اور" کا فاصلہ لانا ترجمانی یا ترجمے کا حق ادا کرنا تو دور کی بات، اِن حروف کے ساتھ انصاف نہیں ہوا ہے۔

تشبیہات واستعارات اور دیگر صنعتوں کا استعمال:

فنِ شاعری میں تشبیہ واستعارہ کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے، اس سے شعر کے حسن ودل کشی میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے۔ جناب سید شمیم رجز نے بھی قرآنی مفہوم کو نظم کرتے ہوئے بعض مقامات پر تشبیہ واستعارہ کے استعمال سے اپنے کلام میں حسن وجمال پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثال پیش خدمت ہے:

"وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ"[27]

برستا ہے پانی بحکمِ خدا اُمنڈ تا ہے طوفان نباتات

دلہن اِن سے بنتی ہے ساری زمین زن وشو ہیں پودوں کے کیسے حَسین[28]

اِس مثال میں شاعر نے اگر نباتات کو طوفان سے تشبیہ دی ہے تو پھر یہ مرکب اضافی تشبیہی ناقص ہے، کیوں کہ طوفان اور نباتات میں وجۂ شبہ کوئی نہیں ہے۔ اگر نباتات کے کثرت سے اُگنے کو طوفان سے تشبیہ دی ہے پھر یہ مرکب اضافی استعاری بن جائے گا۔ مشبہ یعنی نباتات کے کثرت سے اُگنے کو حذف کر دیا اور اُس کے مشبہ بہ یعنی طوفان کا ذکر کر دیا، مگر ہر تشبیہ ہر جگہ جچتی نہیں ہے۔ یہاں تشبیہ کی غلطی یہ ہے کہ طوفان کو "نباتات کی کثرت" سے استعارہ بنایا ہے۔ اِس کثرتِ نباتات سے زمین سجے گی، خوبصورت ہو گی، تو زمین کے سجنے سنورنے کو دلہن سے تشبیہ دی۔ کیا مشاہدہ یہ کہتا ہے کہ دنیا میں کہیں کسی حسینہ کے دلہن بننے کا سبب طوفان بنا ہو؟ یہاں طوفان کو جو دلہن کا تلازمہ بنایا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ دلہن کے تلازمات بارات، شادی اور دلہا تو ہوتے ہیں، مگر کبھی دلہن کا تلازمہ طوفان نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ استعارہ یہاں جچا نہیں ہے۔ تشبیہ اور استعارے کا اس قسم کا تال میل کہ زمین کا دلہن بننا، پودوں کے درمیان زن وشو کا رشتہ کرنا غیر سنجیدہ اور قرآنی جلال ووقار کے منافی ہے۔

فاضل نظم نگار نے جہاں تشبیہ واستعارہ کے ذریعہ اپنے کلام کی شان وشوکت بڑھانے کی کوشش کی وہاں صنعت اقتباس کے ذریعے بھی اپنے کلام کے حسن وجمال میں اضافہ کرنے کی سعی کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

اسی میں ہے انسان کی مضمر نجات اقیموا الصلوٰۃَ واٰتوا الزکوٰۃ[29]

اسی طرح ایک مقام پر بھی اس صنعت کو استعمال کیا ہے، ملاحظہ ہو:

کریں وِرد جو رَبُّنا اللہ کا رہیں پھر اسی پر وہ قائم سدا[30]

بعض محذوفات کھولنا:

قرآن مجید کا اُسلوبِ بیان ایجاز واختصار پر مبنی ہے، کم سے کم الفاظ میں معانی کا بحر بے کراں ہے، کہیں الفاظ میں محذوفات ہیں تو کہیں بیانِ قصص میں مقدرات ہیں۔ قرآن کی جامعیت وکاملیت میں محذوفات ومقدرات کا بڑا کردار ہے۔ یہ محذوفات کئی قسم کے ہیں۔ ایضاحِ مطالب کی خاطر مترجمین اِن محذوفات کو کھولنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ جنابِ رجزؔ نے بھی کسی کسی مقام پر اِن محذوفات کو کھولا

ہے، یہ الفاظِ دیگر اُن نثری مترجمین نے کھولا ہے جن کے تراجم مفہوم نظم کرتے وقت آپ کے پیش نظر تھے۔ محذوفِ لفظی کے کھولنے کی مثال ملاحظہ ہو:

''وَ اَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ''[31]

اِس آیت میں بعض مفسرین کے نزدیک تین محذوفات ہیں: نمبر 1۔ جلال الدین السیوطی کے مطابق تَخْرُجْ بَيْضَاءَ سے پہلے محذوف ہے، تقدیر عبارت ہے: تدخل غير بيضاء وأخرجها تخرج بيضاء[32]، نمبر 2۔ مشہور مفسر جار اللہ زمخشری کے مطابق ''فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ'' یہ فعلِ محذوف اِذْهَبْ سے متعلق ہے[33]، یا ''فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ'' یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے، تقدیر عبارت ہو گی: هذه الاٰيات في تسع اٰيات[34] یا یہ مبتدا محذوف ''هاتان ثنتان'' کی خبر ہے[35]۔

صاحبِ مثنوی آبِ رواں نے پہلا محذوف یعنی بغیر چمکتا ہوا ہاتھ گریباں میں داخل کریں گے اور پھر اُسے نکالیں تو چمکتا ہوا ہاتھ نکلے گا، اِس محذوف کو نہیں کھولا، البتہ ''فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ'' کو هاتان ثنتان مبتدا محذوف کی خبر مان کر اِس محذوف کو کھولا ہے اور ترجمہ کیا ہے: ''یہ نو میں سے ہیں دو نشانی غرض''، مگر اس کے ساتھ ''فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ'' کو ''اِذْهَبْ'' سے متعلق مان کر اس کو بھی کھولا ہے اور ترجمہ کیا ہے: ''روانہ ہو تم سوئے فرعون اب''، لیکن مترجم چوں کہ خود عربی سے واقف نہیں تھے، مفہوم نظم کرتے ہوئے نثری تراجم پیش نظر تھے، تو کسی مترجم نے ''فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ'' کو ''اِذْهَبْ'' سے متعلق مان کر اِس کا ترجمہ کیا ہو گا اور کسی نے اِس کا مبتدا محذوف کی خبر والا ترجمہ کیا ہو گا۔ فاضل نظم نگار نے دونوں مفاہیم اپنی نظم میں سمو دیئے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے کہ جار مجرور بہ یک وقت فعل سے متعلق بھی ہوں اور ترکیب میں خبر بھی بن رہے ہوں۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

ذرا جیب میں اپنا ڈالو تو ہاتھ — وہ نکلے گا باہر تجلّی کے ساتھ
سبب اس کا ہو گا نہ کوئی مرض — یہ نو میں سے ہیں دو نشانی غرض
روانہ ہو تم سوئے فرعون اب — یہ تحقیق کافر ہیں وہ سب کے سب[36]

تینوں اشعار موزوں ہیں، اِن میں جہاں محذوفات کو کھولا گیا ہے وہاں جزوِ آیت (وَقَوْمِهٖ) کو بے ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ جب کوئی مترجم محذوفات کو کھول رہا ہو تو اُس سے یہ بھی توقع کی جاتی ہے کہ وہ متنِ قرآن کے کسی لفظ یا جملے کو بے ترجمہ نہ چھوڑے۔ (اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ) کا مفہوم ''یہ تحقیق کافر ہیں وہ سب کے سب'' غلط ہے۔ فاسق کا ترجمہ کافر سے کرنا زیادتی ہے۔

قرآن میں قصہ یا کسی واقعہ کے بیان میں اُس کی تمام جزئیات بیان نہیں کی جاتیں، اگر محذوفات کا کشادنہ کیا جائے تو مفہوم مغلق سا رہتا ہے، مثال کے طور پر "إِذْ قَالَ مُوسَى لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ"[37] کا محذوف کھولے بغیر ترجمہ کریں تو قاری کو تشنگی سی رہتی ہے۔ پہلے اِس آیت کا محذوف کھولے بغیر نثری ترجمہ ملاحظہ ہو:

''جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو، میں نے دیکھی ہے ایک آگ، اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر، یا لاتا ہوں انگارا سلگا کر، شاید تم تاپو''[38]

اب سید شمیم رجزؔ کا منظوم مفہوم ملاحظہ ہو، جس میں حذف کا کشاد کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے واپسی پر راستہ بھول گئے اور انھیں آگ نظر آئی تو اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارے پاس خبر لاتا ہوں یعنی راستے کی خبر، اگر راستے کے بارے میں معلوم نہ ہو سکا تو پھر سردی کی شدت کو کم کرنے کے لیے آگ ہی لے آتا ہوں:

کرو یاد موسیٰ کو تم اے نبی　　اُنہیں راہ میں رات جب ہو گئی
وہ بیوی سے خوش ہو کر کہنے لگے　　نظر آئی ہے روشنی سی مجھے
میں جاتا ہوں اُس کی طرف دوڑ کر　　ملے تا کہ کچھ راستے کی خبر
خبر راہ کی گر نہ پاؤں گا میں　　تو کچھ ہی لے کے آؤں گا میں
یہیں شب گزریں گے پھر تاپ کر　　چلیں گے وطن کو بوقتِ سحر [39]

اِس پیش کردہ مثال میں جہاں قصے کو مزید کھولا گیا ہے، وہاں لفظی کشاد بھی کیا گیا ہے، یعنی "اِذْ" کے قرینے سے "اُذْکُرْ" محذوف کو کھولا گیا ہے۔

قافیہ بندی میں نامانوس اور غریب الفاظ کا استعمال:

جناب سید شمیم رجزؔ بعض اوقات قافیہ بندی کے لیے غریب، نامانوس یا متروک یا اُردو میں غیر مروّج دیگر زبانوں کے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں اور بسا اوقات اُن کے املا میں بھی تصرف کرتے ہیں۔ مثلاً (لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ) [40] کا ترجمہ کرتے ہوئے درگزر اور قابلِ معافی کے مفہوم کے لیے "بِحِل" سے اپنے شعر کا قافیہ باندھا ہے جو کہ اُردو میں غریب ہے اور ناظم نے املا میں بھی تصرف کیا ہے، "بِحِل" لام ما قبل مکسور ہے، اِس لفظ کو عمل کے ہم قافیہ کے طور پر لائے ہیں جب کہ وہ لام ما قبل مفتوح ہے۔ ملاحظہ ہو:

کیا گر نصیحت پہ تم نے عمل　　قیامت میں ہوں گی خطائیں بِحِل [41]

وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ [42] کا مفہوم نظم کرتے ہوئے فارسی کے لفظ "پگاہ" [صبح، سحر، تڑکا] سے اپنا قافیہ سیدھا کیا ہے جس کا اُردو میں رواج نہیں ہے:

برائی جو کرتا ہے شام و پگاہ　　خدا وہ بھی لائے گا پیشِ نگاہ [43]

ایک اور شعر ملاحظہ ہو جس میں "عدیل" کے لفظ سے شعر موزوں کیا ہے، جو نام کی حد تک تو اُردو میں مروّج ہے، روز مرہ میں اس کا استعمال نہیں ہے، شاعر موصوف "نظیر و عدیل" کی جگہ "نظیر و مثیل" لے آتے تو زیادہ جامع ہوتا۔

زہے آلِ عمران و آلِ خلیل　　نہیں اُن کا کوئی نظیر و عدیل [44]

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُه [45] کے مفہوم کو نظم کرتے ہوئے تکلیفوں، بلاؤں اور مشقتوں کے مفہوم کے لیے "محن" کا قافیہ لائے ہیں:

رَہِ کفر پر جو ہوئے گامزن　　انہیں کے لئے ہو گا وجہ محن [46]

اِس شعر میں کفر کو "راہِ کفر" سے تشبیہ دے کر مرکب اضافی تشبیہی بنایا ہے۔ اِس شعر میں قرآن کے مفہوم کا ابلاغ پوری طرح نہیں ہو رہا ہے۔ "جس شخص نے کفر کیا تو اُس کے کفر کا ضرر اُسی کو ہے"[47]، وہ کفر اُس کی مشقتوں اور کلفتوں کا باعث ہو گا۔ یہ مفہوم ادا نہیں ہوا جس کی وجہ سے شعر میں خلا رہ گیا ہے۔ اس خلا کو "وجہ محن" کی غریب ترکیب نے مزید غریب کر دیا ہے۔

قرآنی اُسلوبِ بیان سے گریز:

فاضل نظم نگار نے قرآنی مفہوم نظم کرتے ہوئے اکثر و بیشتر اُس کے اُسلوبِ بیان سے گریز کیا ہے؛ کبھی یہ گریز مجبوراً ہوا ہے، کبھی عمداً اور کبھی سہواً۔ بس آپ تراجم و تفاسیر پڑھتے ہیں اور جو اُن سے مفہوم اخذ کرتے ہیں، یہ دیکھے بغیر کہ کلام اللہ کا اُسلوبِ بیاں کیا ہے، اُس مفہوم کو نظم کا جامہ پہنا دیتے ہیں۔ ذیل میں سورۂ بقرہ کی آیت مع منظوم مفہوم ملاحظہ ہو جس میں علوم بلاغت میں سے علم معانی کی اصطلاح میں تین التفاتات ہیں۔ ابتدائے کلام مخاطب کے صیغے سے ہے، پھر مخاطب سے غائب کے صیغے کی طرف التفات کیا گیا ہے اور پھر اُس سے اسم فاعل کے صیغے کی طرف، مگر فاضل نظم نگار نے اِس اُسلوبِ بیان کو شعر نظم کرتے ہوئے ملحوظ نہیں رکھا ہے۔ تمام مفہوم مخاطب کے صیغوں کے ساتھ جملہ انشائیہ میں نظم کر دیا ہے، جب کہ اِس آیت میں اکثر و بیشتر صیغے غائب کے ہیں اور جملے خبریہ ہیں یعنی جو اللہ پر، روزِ آخرت پر، فرشتوں پر، نبیوں اور کتابوں پر ایمان لائے مگر ترجمے میں ہے کہ تم اللہ پر فرشتوں پر ایمان لاؤ۔ و قس ھذا الی آخرہ۔ یہاں قرآنی اُسلوبِ بیان سے یہ پہلو تہی شاید مجبوراً کی گئی ہے، بہ صورت دیگر شاید شعروں کا آہنگ اتنا بلند نہ ہوتا۔ ملاحظہ ہو:

"لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ"[48]

سعادت نہیں کچھ یہ پیشِ خدا — نہ اِس میں ہے خوشنودی بے نیاز
سعادت تو ہے بس یہی سر بسر — کرو دل میں راسخ یقین معاد
ہمیشہ نظر سوئے قرآں رہے — اُسی کی محبت میں دو اپنا مال
یتیموں پہ ہر دم رہو مہرباں — مسافر پہ رکھو نگاہِ کرم
غریبوں کا دل شاد کرتے رہو — ہمیشہ نمازوں کو قائم کرو
نہ توڑو کبھی اپنا قول و قرار — شکستوں کا شکوہ مرض کا نہ رنج
حصول اس سعادت کو جس نے کیا — وہی متقی ہے وہی ارجمند
کہ بس تم نے مشرق کو منہ کر لیا — پھر و سوئے مغرب جو بہر نماز
کہ ایمان لاؤ تم اللہ پر — وجودِ ملائک پہ ہو اعتقاد
خدا کے رسولوں پہ ایماں رہے — ہمیشہ عزیزوں کا رکھو خیال
فقیروں سے کرتے رہو نیکیاں — بچاؤ نہ سائل سے دام و درم

غلاموں کو آزاد کرتے رہو زکوٰۃ اپنے مالوں کی دیتے رہو

کرو فقر و فاقہ میں صبر اختیار طبیعت ہو گویا مَرَنجاں مَرَنج

وہ ہے صاحب اوج صدق و صفا کرے گا خدا اُس کا رتبہ بلند[49]

اب وہ مثال ملاحظہ کریں جس میں شاعر موصوف نے محض اپنے شعر سیدھے کرنے کے لیے عمداً قرآنی اُسلوبِ بیان سے اعراض کیا ہے۔ اِس اعراض کے ساتھ متنِ قرآن کے مفہوم کی ترسیل میں بھی کامیابی نہیں ملی۔ آیت مع منظوم مفہوم ملاحظہ ہو:

"وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ"[50]

کبھی اُس سے جا کر اگر تم کہو تو بے حد اکڑتا ہے وہ بے شعور

جہنم کی کافی ہے اُس کو سزا کہ قہرِ الٰہی سے ڈرتے رہو

گناہوں پہ کرتا ہے مائل ضرور مگر وہ ٹھکانا ہے کتنا برا[51]

پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں (وَاِذَا قِيْلَ لَهُ) کا مفہوم بیان کیا گیا ہے، یہاں قرآن کے اُسلوبِ بیان سے عمداً اعراض کیا گیا ہے۔ متن تقاضا کرتا ہے کہ اِس کا ترجمہ "اور جب اُسے کہا جائے" ہوتا، مگر "کبھی اُس سے جا کر اگر تم کہو" نہ صرف قرآنی اُسلوبِ بیان سے پہلو تہی ہے بلکہ مفہوم بھی غلط ہے۔ "قِيْلَ" کا مفہوم "تم کہو" عربیت ناشناسی کی علامت ہے۔اِذَا کا ترجمہ "اگر" سے کرنا بھی اِسی قبیل سے ہے۔ دوسرا شعر (اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ) کا ترجمہ کرنے کی ناکام کوشش ہے۔ اِس شعر کو اگر جزوِ آیت کا ترجمہ نہ بھی قرار دیں اور صرف ایک شعر کے طور پر لیں تو بھی یہ مبہم اور مغلق شعر ہے، جس کے دونوں مصرعے باہم مربوط بھی نہیں ہیں۔ آخری شعر کے دوسرے مصرعے میں واوٴ اور لام کا ترجمہ "مگر" سے کرنا عربی زبان سے ناواقفیت کا اظہار ہے۔

"وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ"[52]

ہر امت میں آیا خدا کا رسول کہ بس اک خدا کی پرستش کرو

پس اُن میں کسی کو ہدایت ملی ہوا جس پہ احکامِ حق کا نزول

بتوں کی عبادت سے بچتے رہو کسی پر ضلالت مسلط رہی[53]

پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا) کا مفہوم ادا کرتے ہوئے قرآنی اُسلوب سے اعراض کیا ہے، جس کی وجہ سے مفہوم غلط ہو گیا ہے۔ "ہر اُمت میں خدا کا رسول آیا" یہ منطوقِ آیت کا مدلول نہیں ہے، راست مفہوم یہ ہے کہ "اور بے شک ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیجا"[54]۔ آنا کا مفہوم تب درست قرار پاتا اگر یہاں "جَاءَ" کا لفظ آیا ہوتا۔ اِس شعر کا دوسرا مصرع محض تکمیلِ شعر کے لیے ہے۔ دوسرا شعر (اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ) کا مفہوم بیان کر رہا ہے، مگر اِس میں مترجم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ پرستش کا لفظ اور بتوں کے ساتھ عبادت کا لفظ لا کر اپنی اَدبی بدذوقی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ کے ساتھ عبادت کا لفظ ہونا چاہیے تھا اور بتوں کے ساتھ پرستش کا، فنی اعتبار سے دونوں لفظ ہم وزن ہیں، شاعر کو کوئی عروضی مجبوری بھی نہ تھی کہ جس کی وجہ سے ایسا کیا ہو۔ عبادت کے لفظ میں جو وسعت ہے، پرستش میں نہیں ہے۔ اِسی طرح طاغوت کا مفہوم "بتوں" سے ادا کرنا بھی

محل نظر ہے۔ اللہ کے مقابلے میں ہر طاقت طاغوت کہلاتی ہے، فاضل نظم نگار جب قرآن کا ترجمہ کی بہ جائے مفہوم بیان کر رہے ہیں تو یہ لفظ تقاضا کر تا تھا کہ اِس کو مزید کھولتے۔ آخری شعر کے پہلے مصرعے میں کلام اللہ کے اُسلوب بیان سے پھر پہلو تہی کی ہے۔ (فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ هَدَى اللّٰهُ) کا تقاضا یہ ہے کہ اِس کا مفہوم "پھر اُن میں سے بعض کو تو اللہ نے ہدایت دی"[55] ہوتا، مگر شاعر نے اس سے مفہوم اخذ کیا ہے کہ "پس اُن میں سے کسی کو ہدایت ملی"، یہ قرآنی اُسلوب کے خلاف ہے۔ یہاں غالباً آپ سے سھواً ایسا ہو گیا ہے۔

قرآنی مطالب و مفاہیم کے ابلاغ میں تسامح:

سید شمیم رجز مطالب و مفاہیم نظم کرتے ہوئے بسا اوقات مفہومِ متنِ قرآن کا درست ابلاغ کرنے میں ناکام رہتے ہیں، قرآن کی آیت "يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ‌ؕ هَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَيۡرُ اللّٰهِ يَرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ فَاَنّٰى تُؤۡفَكُوۡنَ"[56] کا مفہوم ہے: "لوگو! خدا کے جو تم پر احسانات ہیں اُن کو یاد کرو، کیا خدا کے سوا کوئی اور خالق (اور رزاق) ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دے؟ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم کہاں بہکے پھرتے ہو"[57]۔ اِس آیت میں اللہ جل شانہ وعم نوالہ کی گوناں گوں اور بے حد و حساب نعمتوں کی تذکیر کی بات ہو رہی ہے، مگر رجزؔ صاحب کے منظوم ترجمہ سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ صبح و شام اُن لوگوں کو یاد کرو جو ربُّ الانام کی نعمتیں پاتے تھے۔ منظوم مفہوم ملاحظہ ہو:

کرو یاد لوگو اُنہیں صبح و شام — بتاؤ یہ پھر دل میں تم سوچ کر

جو ارض و سما سے تمہیں رزق دے — سِوا اُس سے ہے کون ربِّ زماں

جو پاتے تھے نعماتِ ربِّ انام — کوئی اور ہے خالقِ بحر و بر

مصائب سے تم کو بچاتا رہے — تو بہکے چلے جا رہے ہو کہاں[58]

پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں "ربِّ انام" اُردو میں غیر فصیح ترکیب ہے، اِس کی بہ جائے خیر الانام کے وزن پر "رب الانام" ہوتا تو شعر کا ادبی پایہ بلند ہو جاتا۔ یہ شعر آیت کی درست ترجمانی نہیں کر رہا ہے۔ قرآن میں اگر معاذ اللہ معاذ اللہ "**یا أیها الناس اذکرو الذین یجدون نعمات رب الأنام**" ہوتا تو پھر شعر اس کے مفہوم کو کفایت کر جاتا، مگر اللہ کا فرمودہ تو (يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ) ہے۔ تیسرے شعر کا دوسرا مصرع محض تکمیلِ شعر کے لیے ہے۔ آخری شعر میں "سِوا اُس سے" زبان و بیان کے اعتبار سے درست نہیں ہے، اِس کی بہ جائے "سوا اُس کے" ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔ آخری مصرعے میں "تو" کہ بہ جائے "سو" سے قرآن کی ترجمانی زیادہ اچھی ہو جاتی۔ مجموعی طور پر اشعار وزن میں ہیں۔

اسی طرح صاحبِ آبِ رواں سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 30 کے جزو (وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ‌ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌ بِالۡعِبَادِ)[59] کا مفہوم نظم کرتے ہوئے خطا کر بیٹھے ہیں، (وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ) کا مفہوم یہ ہے کہ "اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے"[60]، جب کہ فاضل مترجم نے جو اِس سے مفہوم اخذ کیا ہے کہ تم اللہ سے صبح و شام ڈرو۔ "اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے" اور "تم اللہ سے ڈرو" دونوں میں واضح فرق ہے۔ آپ کا اخذ کردہ منظوم مفہوم ملاحظہ ہو:

ڈرو پس خدا ہی سے شام و سحر — وہ بندوں پہ ہے مہرباں کس قدر[61]

پہلے مصرعے میں "پس" آیت کے کس لفظ کی ترجمانی کر رہا ہے؟ یہاں فائے فصاحت ہے نہ فائے علت کہ جس کے مفہوم کی ادائیگی کے لیے "پس" لانا پڑا ہو۔ "پس" کی بہ جائے "تم" لاتے تو زیادہ مناسب تھا۔ قرآن کے اُسلوبِ بیان سے پہلو تہی کے نتیجے میں مفہوم غلط ہو گیا ہے۔ (وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ) یہ جملہ سورہ آل عمران کی آیت نمبر 28 میں بھی آیا ہے، وہاں بھی مترجم نے غلط مفہوم نظم کیا ہے، ملاحظہ ہو:

خدا ہی سے ڈرتے رہو ہر گھڑی[62]

اسی طرح سورۂ نحل کا آغاز ہی غلط مفہوم سے کیا ہے، (اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ)[63] کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ ملاحظہ ہو:

خدا کر چکا اپنی نازل کتاب کرو اب نہ عجلت برائے عذاب[64]

(اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ) میں "امر" سے مراد کتاب یا قرآن لینا کسی اعتبار سے بھی درست نہیں ہے۔ کسی مترجم یا مفسر نے یہاں "امر" سے کتاب مراد نہیں لی، یہ رجز صاحب کا ہی تفرد ہے۔ اس جزوِ آیت میں "امر" سے مراد قیامت ہے، اُس کے وقوع کے یقینی ہونے کی وجہ سے ماضی کے صیغہ سے تعبیر کیا ہے[65] یعنی قیامت کا واقع ہونا قریب ہے۔ ماوردی کی تفسیر "النکت والعیون" میں لفظ امر کی تعیین میں چار اقوال نقل کیے گئے ہیں:

"وفي (اَمْر) أربعة أقاويل: أحدها: أنه إنذار رسول الله صلي الله عليه وسلم، الثاني: أنه فرائضه وأحكامه، الثالث: أنه وعيد أهل الشرك ونصرة الرسول صلي الله عليه وسلم، الرابع: أنه القيامة"[66]

"امر" کی تعیین میں چار اقوال ہیں: نمبر 1۔ اِس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لوگوں کو متنبہ کرنا ہے، نمبر 2۔ اِس سے مراد دین کے فرائض واحکامات ہیں، نمبر 3۔ امر کے آنے سے مراد مشرکین کے لیے وعید اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت ہے، نمبر 4۔ اس سے مراد قیامت ہے"۔

الغرض "اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ" سے "نزولِ کتاب" مراد لینا کسی بھی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ اِس جزوِ آیت کے مفہوم کا دوسرا مصرع مبہم ہے کہ شاعر کی اس سے کیا مراد ہے؟ عذاب دینے کے لیے عجلت نہ کرو یا عذاب سہنے کے لیے، شاعر کوئی واضح وصریح مفہوم نظم کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ سورۂ توبہ کا آغاز بھی شاعری کی نذر ہو گیا ہے، اس کا بھی صحیح مفہوم نظم نہیں ہو سکا۔ "بَرَاۗءَةٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ"[67] کا درست مفہوم یہ ہے کہ "(اے اہلِ اسلام اب) خدا اور اُس کے رسول کی طرف سے مشرکوں سے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا بے زاری (اور جنگ کی تیاری) ہے"[68] مگر نظم نگار نے اِس آیت سے جو مفہوم اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ خدا اور رسول کا اب مشرکوں سے کوئی عہد نہیں۔ قرآن کا مدلول یہ نہیں ہے جو مترجم نے سمجھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

ہیں بے زار اُن سے خدا اور نبی نہیں عہد اب مشرکوں سے کوئی[69]

مسلکی رنگ:

قرآنِ مجید وفرقانِ حمید کے بعض مقامات کی تعبیر وتشریح میں جہاں اہل سنت اور اہلِ تشیع کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، وہاں عمومی طور پر جناب سید شمیم رجز شیعہ ہونے کی وجہ سے اپنے مسلک کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ اُن مقامات میں سے ایک مقام آیت وضو ہے؛ اہل سنت مفسرین اس میں فرضیتِ غَسل رِجلین کے قائل ہیں، جب کہ اہل تشیع وجوبِ مسحِ رِجلین کے۔ آیۂ وضو

میں صاحبِ آبِ رواں ''اَرْجُلَکُم'' کو ''رُءُوْسِکُمْ'' پر معطوف مانتے ہوئے سر اور پاؤں کے مسح کو واجب ولازم سمجھتے ہیں۔ آیت مع منظوم مفہوم ملاحظہ ہو:

''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَ اَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ''[70]

عبادت کا جب وقت آئے قریں　　کہ منہ دھوئیں اور دونوں کہنی سے ہاتھ
یہاں تک کہ ٹخنے ہوں ہاتھوں سے تر　　کریں اِس طرح سب وضو اہلِ دیں
کریں پھر سر و پا کو مَس اُن کے ساتھ　　جھکائیں نمازوں میں پھر اپنا سر[71]

نظم نگار پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں ''قریں'' بہ معنٰی ''قریب'' لائے ہیں، اپنے ترجمے میں اِس لفظ کے اس معنٰی میں استعمال کثرت سے کرتے ہیں، حالاں کہ اُردو میں قریں ''قریب'' کے معنٰی میں غیر فصیح ہے، قیامِ پاکستان سے پہلے اس کا چلن ہو تو ہو مگر قیامِ پاکستان کے بعد بایں معنٰی اِس کا رواج نہیں رہا۔ ''صلوٰۃ'' کا مفہوم لفظ ''عبادت'' سے ادا کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ عبادت بہ نسبت صلوٰۃ کے وسیع مفہوم رکھتی ہے۔ نماز، روزہ، صدقہ وخیرات، زکوٰۃ، تلاوت، اور حج وغیرہ سب عبادات ہیں، تو اوّلاً صلوٰۃ کا مفہوم لفظ صلاۃ سے ادا کرنا چاہیے تھا یا کم از کم نماز کا لفظ لاتے۔

دوسرے شعر کا پہلا مصرع ''کہ منہ دھوئیں اور دونوں کہنی سے ہاتھ'' زبان وبیان کے اعتبار سے مغلق ہے۔ اِس سے تو یہ مفہوم اخذ ہو رہا ہے کہ منہ دھوئیں اور دونوں کہنیوں سے ہاتھ دھوئیں، جب کہ مفہوم یہ ہونا چاہیے تھا کہ منہ دھوئیں اور دونوں ہاتھ کہنیوں تلک۔ اِس شعر کا دوسرا مصرع شیعہ مسلک کی ترجمانی کر رہا ہے کہ سر اور پاؤں دونوں کا مسح کرو۔ زبان وبیان کے اعتبار سے اس مصرعے میں بھی ابہام پایا جاتا ہے کہ ''اُن'' کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ اس سے قبل ذکر ہے کہ منہ دھوئیں اور دونوں کہنی سے ہاتھ دھوئیں۔ اس کا مرجع تلاش کرنا بہ ہر حال مشکل ہے۔ فاضل مترجم مسح کے لیے ''مَس'' کا لفظ لائے ہیں، مسح اور چیز ہے اور مَس چیز دیگر است۔ مسح کے مفہوم کے لیے مَس کا لفظ مترجم کی عربیت ناشناسی کی غمازی کر رہا ہے۔ فنِ شاعری کے رو سے تمام مصرعے موزوں ہیں۔

ایک دوسری آیت جس کی تعبیر وتفسیر میں اہلِ سنت مترجمین ومفسرین اور اہلِ تشیع مترجمین ومفسرین باہم اختلاف رکھتے ہیں، وہ (قُلْ لَّآ اَسْــَٔلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰی)[72] ہے۔ شاہ عبد القادر محدث دہلوی نے اِس جزوِ آیت کا ترجمہ ''تو کہہ، میں مانگتا نہیں اِس پر کچھ نیگ، مگر دوستی چاہیے ناتے کی''[73] کیا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اِس جزوِ آیت کا ترجمہ ''آپ (ان سے) یوں کہیے کہ میں تم سے کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کی محبت کے''[74] کیا ہے۔ کم وبیش یہی مفہوم مولانا محمد جوناگڑھی کے ترجمہ سے ماخوذ ہوتا ہے، آپ ترجمہ کرتے ہیں: ''تو کہہ دیجیے! کہ اِس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتہ داری کی''[75]۔ اِن تراجم سے جو مفہوم ماخوذ ہوتا ہے وہ یہ کہ میں اِس دعوت وتبلیغ پر اُجرت نہیں مانگتا، صرف اتنا چاہتا ہوں کہ میرے تمہارے تعلقات جو رشتہ داری کے ہیں جو کہ تمام قریش میں بلکہ تمام عرب میں پھیلے ہوئے تھے، اُن کے حقوق کا تو خیال رکھو[76]۔

شیعہ مترجمین اِس جزوِ آیت کا ترجمہ اہل سنت مترجمین سے مختلف کرتے ہیں۔ مولانا فرمان علی نے اِس آیت کا ترجمہ "(اے رسول) تم کہہ دو کہ میں اِس تبلیغ رسالت کا اپنے قرابت داروں (اہلِ بیت) کی محبت کے سوا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا" [77] کیا ہے۔ سید شمیم رجزؔ نے بھی کم و بیش مولانا فرمان علی کے ترجمے کو نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

کہو اے محمد رسولِ عرب	کوئی اجر اِس کا نہیں مانگتا
ہمیشہ تم اُن سے محبت کرو	میں تبلیغ کرتا ہوں جو روز و شب
مگر یہ کہ جو میرے ہیں اقربا	رہِ دیں میں اُن کی اطاعت کرو [78]

تینوں اشعار وزن میں ہیں، آخری شعر کا دوسرا مصرع تفسیری ہے، یہاں قرآن مجید میں کوئی ایسا لفظ نہیں کہ جس کا یہ مفہوم بیان کر رہا ہو۔

جناب سید شمیم رجزؔ ہر مقام پر کھل کھلا کر شیعت کی نمائندگی نہیں کرتے، مثلاً قرآنی آیت "يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا" [79] میں "اولو الامر" سے شیعہ حضرات اپنے بارہ امام مراد لیتے ہیں [80]، اہلِ سنت مفسرین "اولو الامر" سے اربابِ حکومت یا فقہا مراد لیتے ہیں [81]۔ جناب سید شمیم رجزؔ اِس مقام پر "اولی الامر" کا ترجمہ تو اولی الامر سے ہی کیا ہے مگر متن قرآن سے ہٹ کر مفہوم نظم کیا کہ جس کو نبی اولی الامر مقرر کرے۔ ملاحظہ ہو:

ہدایت یہ قرآں کی دل سے سنو	اُولی الامر جس کو بنائے نبی
اگر اختلافات ہوں رونما	خدا اور قیامت کا گر ہے یقیں
یہی سب سے بہتر ہے طرزِ عمل	خدا و نبی کی اطاعت کرو
اطاعت پھر اُس کی بھی ہے لازمی	اُنھیں لاؤ پیش نبی و خدا
نصیحت یہ قرآں کی بھولو نہیں	ملے گا تمھیں اس کا اچھا بدل [82]

"ہدایت یہ قرآں کی دل سے سنو" اگر یہ "يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا" کا مفہوم ہے تو مترجم سے مفہوم نظم کرنے میں خطا ہوئی ہے، اگر یہ مذکور جزوِ آیت کا مفہوم نہیں بلکہ زائد ہے جیسا کہ نظم نگار کی عادت بھی ہے کہ کبھی مصرع اوّل زائد لاتے ہیں اور کبھی مصرع ثانی تو پھر یہ نقص ہے کہ "يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا" کا مفہوم نظم ہونے سے رَہ گیا ہے۔ دوسرا مصرع "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ" کا مفہوم ہے۔ آیت میں جو اللہ اور رسول کی اطاعت پر زور ہے وہ مصرع میں منتقل نہیں ہو سکا ہے۔ "الرسول" کا ترجمہ نبی سے یہ قرآنی تعبیرات کا غیر ذمہ دارانہ ترجمہ ہے۔ دوسرے شعر میں جہاں قرآنی آیت کے مفہوم میں تصرف ہے وہاں مترجم کی عربیت ناشناسی کا اظہار بھی ہے۔ "اُولی الامر جس کو بنائے نبی" یعنی جس کا تقرر نبی کرے اُس کی اطاعت بھی لازم ہے، فاضل نظم نگار نے یہ مفہوم کہاں سے اخذ کیا ہے؟ واللہ اعلم بالصواب۔ بہ ظاہر یہ قرآن کی معنوی تحریف کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ شعر شاعر کی عربیت ناشناسی کو بھی ظاہر کر رہا ہے۔ "اولی" "ذو" کی غیر لفظ سے جمع ہے [83]، مگر شاعر نے "اولی الامر" سے واحد مراد لیا ہے۔ اگر یہ شاعر کی نظر میں جمع ہوتا تو پھر شعر اِس طرح ہوتا:

اولی الامر جن کو بنائے نبی اطاعت پھر اُن کی بھی ہے لازمی

تیسرے شعر میں ''الرسول'' کا ترجمہ پھر نبی سے کیا ہے، چوتھے شعر کا دوسرا مصرع زائد ہے۔ جملہ ابیات وزن وبحر کی کسوٹی پر پورا اترتے ہیں۔

حاصل بحث:

سید شمیم رجز اُردو کے قادر الکلام شاعر تھے، انھوں نے اپنے منظوم مطالب و مفاہیم میں شاعری کو خوب نبھایا ہے اور اپنے ترجمے کو تشبیہ واستعارہ اور محاورہ وروز مرہ سے خوب مرصع کیا ہے، لیکن کہیں کہیں قافیہ بافی کے لیے غریب اور نامانوس تراکیب سے اپنی شاعری کو خود گرہن بھی لگایا ہے۔ جہاں تک مضامین قرآن کا تعلق ہے، تو فاضل نظم نگار عربیت ناشناسی کی وجہ سے کئی مقامات پر خطا کر بیٹھے ہیں اور صفحہ بہ صفحہ ان کی عربیت ناآشنائی کے مظاہر ملتے ہیں۔ قرآنی اُسلوبِ بیان کا تتبع تو خال خال ہی کیا ہے، یہ مفہومی ترجمہ ہے، پابند لفظ نہیں۔ شاعر موصوف بھرتی کے الفاظ اور مصرعے جہاں کثرت سے لاتے ہیں وہیں بڑی تعداد میں آیات کے اجزا سے بھی صرف نظر کیا ہے۔ فاضل مترجم باوجود اتحاد بین المسالک کے داعی ہونے کے اپنے ترجمے کو مسلک پرستی سے محفوظ رکھنے یا تمام مسالک کے لیے کوئی متفقہ ترجمہ دینے سے عاجز رہے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات:

[1] Daryabadi, Abdul Majid, Maulana, *Tafsīr al-Qur'ān* (Translation & Commentry of the HOLY QUR'AN), Academy of Islamic Research and Publications Lucknow, Edition: 3, 2007, Vol: 1, P.iii.

[2] ۔ شمیم رجز، سید، مسلمان، ادارۂ تصنیف و تالیف اسلامیہ کراچی، ط:1، 1988ء، ص پرنٹ لائن؛ سید شمیم رجز کی بیٹی سیدہ درِ نجف رضوی زیبیؔ (معروف شاعرہ) سے انٹرویو۔

[3] ۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: شمیم رجز، سید، مثنوی آبِ رواں (پہلا حصہ پارہ الم)، رائٹرز اکیڈیمی لاہور، 1960ء، پس سرورق؛ مثنوی آبِ رواں (دوسرا حصہ پارہ سیقول)، رائٹرز اکیڈیمی لاہور، 1964ء، پس سرورق؛ مثنوی آبِ رواں (تیسرا حصہ پارہ تلک الرسل)، رائٹرز اکیڈیمی لاہور، 1966ء، پس سرورق۔

[4] ۔ نیّر حسین رضوی، سید، ''تعارفِ مصنف'' مشمولہ ''خلوصِ بیکراں''، سید شمیم رجز، رائٹرز اکیڈمی لاہور، نومبر 2005ء، ص iv، 1؛ سید شمیم رجز، میر کارواں، رائٹرز اکیڈمی لاہور، اگست 2005ء، ج 3، ص vi۔

[5] ۔ یہ یقیناً سہو کتابت ہے، کہ 11 مئی 1927ء کی بہ جائے 1937ء پرنٹ ہوگیا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: شمیم رجز، سید، حروف کی آوازیں اور اُن کے اثرات، ادارۂ تصنیف و تالیف اسلامیہ کراچی، 1986ء، پرنٹ لائن والا صفحہ۔

[6] ۔ راقم سطورِ مقالہ نے سید شمیم رجز کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے 3 اگست 1921ء کو ترجیح اس لیے دی ہے کہ سید شمیم رجز کے انتقال کے بعد اُن کے بھائی سید تنویر الحسن رضوی کے بیٹے محمد علی (شکاگو، امریکہ) نے ایک وڈیو جاری کی ہے، جس میں سید شمیم رجز کے والد سید یعقوب الحسن رضوی کی ڈائری سے ایک ورق کی تصویر ہے، جس پر مذکورہ تاریخ پیدائش مع دن اور وقت درج ہے۔ اِس وڈیو کو یوٹیوب ڈاٹ کام پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ سید شمیم رجز کی تاریخ پیدائش میں اختلاف کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ شاید اُن کے سرکاری کاغذات اور تعلیمی اسناد پر تاریخ پیدائش 11 مئی 1927ء درج تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ جب تک سرکاری ملازم رہے، یہی تاریخ پیدائش اُن کی کتب پر چھپتی رہی اور ملازمت سے سبکدوشی کے بعد چھپنے والی کتب پر سالِ پیدائش 1920ء درج ہے۔

[7]۔ موضع "محمد پور ملاسا" میں "محمد پور" رضوی سادات کی ایک قدیم بستی ہے جو تحصیل پکھرایاں ضلع کانپور (ہندوستان) میں اُس جی ٹی روڈ پر واقع ہے جو شیر شاہ سوری نے بنوائی تھی، یہ روڈ پشاور کو کولکاتا سے ملاتی تھی، محمد پور ملاسا ریلوے اسٹیشن اس لائن پر ہے جو جھانسی سے کانپور جاتی ہے۔ سید شمیم رجز کے آباؤ اجداد میں سید سبحان حسین المعروف سبحان قلی کو شہنشاہِ ہندوستان نے محمد پور کے آس پاس 24 گاؤں کی ریاست عطا کی، جو سینگر ندی سے لے کر دریائے جمنا تک اور ملاسا گاؤں سے اکبر پور تک پھیلی ہوئی تھی۔ محمد پور بستی سادات رضوی خاندان کی آباد کردہ ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: شمیم رجز، خلوصِ بیکراں، ص 6۔

[8]۔ پس سر ورق مثنوی آبِ رواں، دوسرا حصہ سیقول سے حذف و اختصار کے ساتھ۔

[9]۔ خلوصِ بیکراں، ص 1۔

[10]۔ خلوص بیکراں، ص 1؛ سیدہ درِ نجف رضوی زیبی سے انٹرویو۔

[11]۔ سیدہ درِ نجف رضوی زیبی سے انٹرویو۔

[12]۔ پس سر ورق مثنوی آبِ رواں، دوسرا حصہ سیقول سے حذف و اختصار کے ساتھ۔

[13]۔ "فولاد پر عملِ حرارت" کے بارے میں مصنف اور ناشر کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ کتاب اُردو زبان میں سٹیل پر عملِ حرارت کے موضوع پر پہلی کتاب ہے، اس کے صفحات کی تعداد 400 ہے اور یہ مارچ 1970ء میں مرکزی اُردو بورڈ لاہور سے اشاعت پذیر ہوئی۔

[14]۔ "فن آہن گری" جیسا کہ عنوانِ کتاب سے مترشح ہو رہا ہے کہ آہن گری کے فن سے متعلق ہے، اس کے صفحات کی تعداد 218 ہے، جسے مرکزی اُردو بورڈ لاہور نے 1976ء میں شائع کیا۔

[15]۔ "حروف کی آوازیں اور اُن کے اثرات"، مصنف نے یہ مقالہ پی ایچ-ڈی کے لیے لکھا تھا، مگر بعد میں اسے چھپوا دینا مناسب سمجھا، 1986ء میں اس کی طباعت کا اہتمام ادارۂ تصنیف و تالیف اسلامیہ کراچی نے کیا، صفحات کی تعداد 294 ہے۔

[16]۔ "مسلمان" بھی ادارۂ تصنیف و تالیف اسلامیہ کراچی سے طبع ہوئی، سالِ اشاعت 1988ء ہے اور تعدادِ صفحات 250 ہے۔

[17]۔ "خلوص بے کراں" حمد، نعت، قصیدہ، سلام، منقبت، رباعی، نوحہ، مرثیہ، اور دیگر مختلف اصناف پر مشتمل ہے، صفحات کی تعداد 368 ہے، رائٹرز اکیڈیمی لاہور سے نومبر 2005ء میں مطبوع ہوئی۔ اس کتاب کے آغاز میں سید نیر حسن رضوی نے مصنف کتاب کے تعارف میں 8 صفحات لکھے ہیں، مقام حیرت یہ ہے کہ مصنف کا سلسلۂ نسب حضرت نوح علیہ السلام تک بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ نسب میں کچھ باتیں قابلِ گرفت ہیں، مثلاً جناب عبد المطلب کے صرف چار بیٹے بتائے گئے ہیں اور حضور ﷺ کی اولاد میں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام ہے۔

[18]۔ "نقش جاداں" حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تصنیف لطیف نہج البلاغہ کا منظوم اُردو ترجمہ ہے، 532 صفحاتی پہلی جلد میں 238 خطبات کو عناوین دے کر منظوم ترجمہ کیا گیا ہے؛ جلد دوم و سوم (دریک جلد) کے صفحات کی مجموعی تعداد 296 ہے، دوم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے 79 مکتوبات کا منظوم ترجمہ، جب کہ جلد سوم میں آپ ہی کے 474 حکیمانہ ارشادات کا منظوم ترجمہ ہے۔ "نقشِ جاوداں" کی اشاعت کا اہتمام رائٹرز اکیڈمی لاہور نے جولائی 2005ء میں کیا۔

[19]۔ راقمِ سطور نے سید شمیم رجز کی تصنیفات و تخلیقات کی فہرست سازی میں اکثر کتب تو خود دیکھی ہیں اور چند تعارفی سطریں بھی رقم کر دی ہیں، جن کتب پر تعارفی سطور نہیں ہیں، اُن کے نام سید شمیم رجز کی کتب میں سے ماخوذ ہیں۔

[20]۔ پس سر ورق مثنوی آبِ رواں، دوسرا حصہ سیقول۔

[21]۔ شمیم رجز، سید، آب رواں، ادارۂ تصنیف و تالیف اسلامیہ کراچی، 1405ھ / 1985ء، ج 5، ص 3۔

[22]۔ شمیم رجز، سید، آب رواں، ادارۂ تصنیف و تالیف اسلامیہ کراچی، 1405ھ / 1985ء، ج 3، ص 5۔

[23]۔ النمل 30:27

[24]۔ شمیم رجز، سید، آب رواں، اظہار القرآن لاہور، 27 رمضان المبارک 1426ھ / 31 اکتوبر 2005ء، ص 438۔

[25]۔ آبِ رواں، ص 350۔

[26] ۔ آبِ رواں، ص445۔

[27] ۔ لقمان10:31

[28] ۔ آبِ رواں، ص473۔

[29] ۔ مثنوی آب رواں، ص18۔

[30] ۔ مثنوی آب رواں، ص546۔

[31] ۔ النمل12:27

[32] ۔ السیوطی، جلال الدین، عبد الرحمن بن ابی بکر (م:911ھ)، **الاتقان فی علوم القرآن**، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم، الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، مصر،1394ھ /1974ء،ج3، ص204۔

[33] ۔ الزمخشری، جار اللہ، ابو القاسم محمود بن عمرو بن احمد (م:538ھ)، **الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل**، دار الکتاب العربی بیروت، ط:3، 1407ھ، ج3، ص351۔

[34] ۔ الاشبیلی، عبید اللہ بن احمد بن عبید اللہ (م:688ھ)، **تفسیر الکتاب العزیز وإعرابه**، الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ، 1413ھ، ص324۔

[35] ۔ ابن کثیر، ابو الفداء، حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر (م:774ھ)، **تفسیر القرآن العظیم**، دار الفکر بیروت، 1414ھ /1994ء، ج3، ص435۔

[36] ۔ آب رواں، ص436۔

[37] ۔ النمل7:27

[38] ۔ شاہ عبد القادر محدث دہلوی (م:1242ھ)، القرآن الکریم مع فوائد موضح قرآن، پاک کمپنی لاہور، س۔ن، ص488۔

[39] ۔ آب رواں، ص435۔

[40] ۔ المائدہ12:5

[41] ۔ آبِ رواں، ص124۔

[42] ۔ آلِ عمران30:3

[43] ۔ آبِ رواں، ص61

[44] ۔ ایضاً

[45] ۔ الروم44:30

[46] ۔ آبِ رواں، ص470۔

[47] ۔ جالندھری، فتح محمد، مولانا، فتح الحمید، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور کراچی، س۔ن، ص 664۔

[48] ۔ البقرۃ177:2

[49] ۔ آبِ رواں، ص29۔

[50] ۔ البقرۃ206:2

[51] ۔ آب رواں، ص36-35۔

[52] ۔ النحل36:16

[53] ۔ آب رواں، ص311۔

[54] ۔ طاہر القادری، ڈاکٹر محمد، عرفان القرآن، منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور، ط:38، مئی 2011ء، ص 413۔

[55] ۔ فضل الرحمن، سید، زبدۃ البیان، زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی، س ن، ص 299۔

[56] ۔فاطر 3:35
[57] ۔فتح الحمید، ص 705۔
[58] ۔آب رواں، ص 497۔
[59] ۔آل عمران 30:3
[60] ۔مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارۂ ترجمان القرآن لاہور، ط:7، 1987ء، ج 1، ص 245۔
[61] ۔آبِ رواں، ص 61۔
[62] ۔ایضاً
[63] ۔النحل 1:16
[64] ۔آبِ رواں، ص 307۔
[65] ۔ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر (م:774ھ)، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: سامی بن محمد سلامہ، دار طیبہ بیروت، ط:2، 1420ھ / 1999ء، جزو 4، ص 555۔
[66] ۔الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد (م:450ھ)، النکت والعیون، دار الکتب العلمیہ بیروت، س ن، ج 3، ص 178-177۔
[67] ۔التوبۃ 1:9
[68] ۔فتح الحمید، ص 301۔
[69] ۔آبِ رواں، ص 216۔
[70] ۔المائدۃ 6:5
[71] ۔آب رواں، ص 123۔
[72] ۔الشوریٰ 23:42
[73] ۔ترجمہ قادریہ، ص 630۔
[74] ۔تھانوی، اشرف علی، مولانا، القرآن الحکیم مع ترجمہ و تفسیر، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، س ن، ص 439۔
[75] ۔جوناگڑھی، محمد، مولانا، قرآن کریم مع اُردو ترجمہ و تفسیر، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ، 1419ھ، ص 1367۔
[76] ۔ترجمۂ تھانویہ، ص 439۔
[77] ۔فرمان علی، مولانا، القرآن الحکیم مترجم، عمران کمپنی لاہور، س ن، ص 775۔
[78] ۔آبِ رواں، ص 553۔
[79] ۔النساء 59:4
[80] ۔حافظ فرمان علی نے أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ کا ترجمہ تو "جو تم میں سے صاحبانِ حکومت ہوں" کیا ہے مگر اِس پر جو حاشیہ چڑھایا ہے اُس میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ اولوالامر سے مراد ائمہ معصومین ہیں۔ دیکھیے: ترجمۂ فرمان علی، ص 137۔
[81] ۔ابو زہرہ، محمد بن احمد بن مصطفی بن احمد (م:1394ھ)، زھرۃ التفاسیر، دار الفکر العربی بیروت، س۔ن، ج 4، ص 1727۔
[82] ۔آبِ رواں، ص 100۔
[83] ۔ابن حجر عسقلانی، ابوالفضل احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفت بیروت، 1379ھ، ج 8، ص 253۔